مکالمہ بین المذاہب کے بنیادی خدوخال

پروفیسر مفتی ثناء اللہ محمود
صدر شعبہ اسلامک اسٹڈیز، گورنمنٹ اسلامیہ آرٹس اینڈ کامرس کالج کراچی

ABSTRACT

Prevling conditions of the modren world,especiolly itsbaised aproach towards Islam and Islamic blief hac givin way to the production of the following diologue.It was basicallly to be based upon the basics of all the soual systoms incloding islamic one .so thatmisconception of any sort could be remoned and tolorance towards each others,beliefs could be developed.

The following lines are intended to highlight the basic structur of the dialogue and are an effort to bring out its real symetry,objectives and principles.It would also serve as the discussion forumfor the prectical approaches of the applicable conditions along with pointing out the importance of the available diologue that we have in the noble form of the Holy Prophit {saw}. morever it would also torget the value and importance of 'Give and Take' apprach of the modern western doctrine regarding this.

آج کل دنیا میں مذاہب اور معاشروں کے درمیان جس طرح کا بُعد اور چپقلش پیدا ہوگئی ہے اس نے دنیا میں طاقتور کے سامنے کمزور کو نہایت بے آسرا اور بے بس کر رکھا ہے خصوصاً مسلمان جہاں اقلیت میں ہیں وہاں مسلمانوں کو مذہبی معاملات میں امتیاز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور نائن الیون جیسے واقعات کے بعد مسلمانوں سے جس طرح کا امتیاز برتا جا رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، ملازمتی اداروں میں نماز کا وقت نہ ملنے کی افسوسناک صورتحال تو تھی ہی، خواتین کے حجاب اور نقاب پر پابندی نے یہ صورتحال مزید ابتر کردی ہے اس لیے اعتدال پسند غیر مسلم اور اسلامی و مذہبی دانشور بھی اس صورتحال میں ضرورت محسوس کر رہے ہیں کہ مختلف مذاہب کے درمیان ایک جاندار مکالمہ اور اس کے تسلسل کی ضرورت ہے کیونکہ بڑھتا ہوا مذہبی تصادم اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ وغلط فہمیاں مسلمانوں کو غیر مسلم اکثریتی ممالک میں خصوصاً یورپ اور امریکہ مسائل کا سبب بن رہا ہے، اس کے سبب مسلمانوں کو دیوار سے لگانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ لہٰذا ہم مکالمہ بین المذاہب کی ضرورت اور افادیت محسوس کرتے ہوئے مکالمہ کے بنیادی خدوخال اور اسلام میں اس کی کچھ تصویریں پیش کر رہے ہیں۔

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مکالمہ کی ابتدائی شکل:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت کے سلسلے میں یہودی اور عیسائی علماء کو جو دعوت دی یا اس سے پہلے کفار مکہ کو دعوت دیتے رہے یا ان کے اعتراضات کے جوابات دیتے رہے وہ سب مکالمہ کی ابتدائی شکلیں ہیں۔

چنانچہ سب سے پہلا مکالمہ آپ کا عتبہ اور ربیعہ سے ہوا جس میں اس کی ساری باتیں سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ حٰمٓ سجدہ کی آیات تلاوت کیں اور آیت نمبر ۳۷ پر سجدہ بھی کیا اس کے بعد عتبہ کو اس کی فکر اور سوچ پر چھوڑ دیا کہ اب تمہاری مرضی ہے۔ چنانچہ اس نے جا کر قریش مکہ کو روداد سنائی اور مشورہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ جس پر قریش مکہ بڑے برافروختہ ہوئے (۱)

اسی طرح قریش مکہ کے بے شمار لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں مختلف مواقع پر ہوئیں ان سب کو مکالمہ کے کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کہیں یہ مکالمہ بین المذاہب ہے تو کہیں مکالمہ کسی انسان کی شخصی و فردی فکر سے ہے (۲) ان تمام مکالموں کو جمع کر کے مکالمہ بین المذاہب یا بین الافکار کے نبوی شہ

پاروں کا ایک مجموعہ وجود میں لایا جاسکتا ہے۔

مکالمہ کا دوسرا انداز خطوط:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکالمہ کی مثالوں میں ان خطوط کو" جو آپؐ نے مختلف قبیلوں ،حکومتوں اور بادشاہوں کو ارسال فرمائے" شامل کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط کو دیکھا جائے تو اس میں یہ صورتیں سامنے آتی ہیں:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط مشرکین عرب کو لکھے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں شرک اور بت پرستی سے باز آنے اور فقط ایک اللہ کی بندگی کرنے کی دعوت دی۔ اسی طرح آخرت یعنی مرنے کے بعد زندگی اور حساب کتاب ہونے پر یقین لانے کی دعوت دی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خطوط عیسائیوں کو لکھے، ان میں انھیں ایک مشترک امر یعنی توحید اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اللہ تعالیٰ کا بندہ، رسول اور کلمۃ اللہ ہونے کے ناطے اسلام اور اپنی نبوت کی تصدیق و اتباع کی دعوت دی ہے جیسا کہ قیصر مقوقس اور اہل نجران کے نام خطوط سے ظاہر ہوتا ہے(۳)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوسیوں کو جو خطوط لکھے ان میں انھیں اہرمن اور یزداں نامی دو فرضی خداؤں کے بجائے ایک خدا اللہ تعالیٰ عزوجل کی بندگی کرنے کی دعوت دی اور پوری کائنات کے لیے اپنے رسول ہونے کا اعلان کیا(۴)۔

اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو جو خطوط لکھے وہ وعظ و نصیحت اور اسلام پر عمل کی ترغیب کے حوالے سے تھے(۵)

دور نبوی کے بعد مکالمہ بین المذاہب کی ابتدائی شکل:

نبوی دور کے بعد ویسے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم نے مختلف لوگوں سے مکالمے کیے، غیر مسلموں کے لیے خصوصی احکام جاری کیے مگر مکالمہ بین المذاہب کی جس صورت کی ہم بات کرنا چاہتے ہیں اسکی ابتدا کچھ یوں بیان کی جاتی ہے کہ عباسی خلیفہ مامون رشید نے سنا کہ اسلام کے مخالفین یہ کہتے ہیں کہ اسلام اپنی دلیل کی طاقت سے نہیں بلکہ اپنی تلوار کے زور سے کامیاب و غالب ہوا ہے۔

چنانچہ مامون رشید نے دور دور ملکوں میں پیغام بھیج کر مختلف مذاہب کے اہل علم کو بغداد میں

جمع کیا اور پھر مسلم علماء کو بلا کر ان سب کو ایک عظیم الشان اجتماع میں بحث ومناظرہ کی دعوت دی۔ چنانچہ اس علمی مقابلہ میں مسلمان علماء کامیاب ہوئے اور غیر مسلم اہل علم سرعام اسلام کی استدلالی عظمت کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوگئے (٦)

اس عالمی مکالمہ میں اسلام کی استدلالی حقانیت مانی جانے کے باوجود مسلمانوں نے مکالمہ کے شریک لوگوں کو مجبور نہیں کہ وہ اسلام قبول کریں حالانکہ اس وقت اسلام کی سیاسی وعسکری طاقت ناقابل شکست سمجھی جاتی تھی۔

ٹی ڈبلیو آرنلڈ اپنی کتاب The Preaching fo Islam میں لکھتا ہے کہ

''بغداد میں ہونے والے اس اجتماع میں ''مالی فرقہ'' سے تعلق رکھنے والا یزداں بخت نامی شخص ایران سے شریک ہوا تھا، اجتماع کے مباحثے میں مسلمانوں کی استدلالی قوت سے مرعوب ہوکر خاموش ہوگیا تھا، اسے مامون نے اپنے دربار میں بلا کر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو اس نے انکار کردیا چنانچہ مامون نے اس کی بحفاظت واپسی کے لیے مسلم محافظین کا ایک گروپ اس کے ساتھ کردیا کہ اس کو راستے میں کوئی نقصان نہ پہنچا سکے (٧)۔

اس سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائی وفد سے مباحثہ کیا تھا جس میں وہ لوگ مباحثہ سے عاجز آکر مباہلہ کی طرف مڑ گئے اور مباہلہ بھی چھوڑ کر فرار ہوگئے لیکن چونکہ اس میں مباحثہ ظاہراً اپنی انتہاء کو نہیں پہنچ سکا تھا کہ وہ اس کا ظاہری نتیجہ تسلیم کرتے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مباحثہ سے مباہلہ کی طرف فرار ہی مباحثہ کا واضح نتیجہ تھا (٨)۔

بہرحال مکالمہ بین المذاہب کی اسلام میں بڑی اہمیت ہے اور ہر دور میں اسلام کی حقانیت کو ثابت کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے، لہٰذا مکالمہ بین المذاہب کا دروازہ کھلا ہے، چنانچہ ہم اس پہلو پر ذرا روشنی ڈالتے ہیں کہ مکالمہ بین المذاہب ہوتا کیا ہے؟ مکالمہ کا بحیثیت ایک فن کے موضوع اور غرض وغایت کیا ہیں؟ اسی طرح مکالمہ اور مناظرہ میں فرق کیا ہوتا ہے؟ اور پھر ہم مکالمہ کی بنیاد اور ضرورت پر کلام کریں گے؟

مکالمہ کی تعریف:

مکالمہ دراصل بات چیت کی وہ قسم ہے جو دو شخصوں یا ٹیموں کے درمیان ہوتی ہے اس میں باتوں کا تبادلہ فریقین میں برابری کی بنیاد پر ہوتا ہے، ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر فوقیت نہیں ہوتی

اس میں سکون و اطمینان کی فضا ہونی ضروری ہے، جھگڑے اور تعصب کی بنیاد پر مکالمہ نہیں ہوسکتا بلکہ مکالمہ میں تعصب وعناد سے دوری رکھنا ضروری ہوتا ہے بالکل اس طرح جیسے دو دوست آپس میں مسئلہ کے حل تک پہنچنا چاہیں یا ایک محفل کے لوگ کسی ایک موضوع پر اپنے خیالات کا تبادلہ کریں (۹)

قرآن مجید میں جدال اور محاورہ کے الفاظ بات چیت مناظرہ وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوئے ہیں جن میں جدال کا لفظ انتیس مرتبہ آیا ہے اور وہ ہر مرتبہ ناپسندیدہ باتوں پر مناظرہ کرنے یا غیر سنجیدہ (اور نامناسب باتوں کا جواب دینے) کے معنی میں آیا ہے جب کہ ''محاورہ'' کے باب سے عام گفتگو، سمجھانے یعنی تبادلہ خیال یا دو فریقوں کے درمیان گفتگو کا مفہوم پایا جاتا ہے (۱۰)۔ یعنی مکالمہ سنجیدہ گفتگو اور تبادلہ خیال ہی کو کہا جاسکتا ہے۔

مکالمہ کا موضوع اور غرض و غایت:

مکالمہ اپنی حیثیت کے اعتبار سے ایک فن ہے لہٰذا اس بات کو طے کرنا ضروری ہے کہ فن مکالمہ کا موضوع کیا ہے؟ چنانچہ مفکرین کی رائے کے مطابق اصول ونظریات (کی تعمیر و تطہیر) اس کا موضوع ہونا چاہئے جس میں قوم کے اجتماعی (یا نظریاتی) مسائل کے حل کے لیے کچھ غور وفکر (اور سمجھنے و سمجھانے والی باتیں) کی جائیں۔ (۱۱)

ہر فن کی چونکہ ایک غرض و غایت ہوتی ہے جس کے تعین کے بغیر وہ نامکمل ہوتا ہے لہٰذا علماء مناظرہ کے نزدیک اس فن کی غرض و غایت ''باہمی الفت، ہمدردی (رنجشوں میں کمی یا ایک دوسرے کو سمجھنا) اور آپس میں میل جول پیدا کرنا ہے۔ (۱۲)

جیسا کہ قرآن کریم کی آیت

﴿ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾

کی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر اس نظریے کے تحت لوگ آپس میں بات چیت کریں تو گفتگو میں رنجش اور ناخوشگواری کے امکانات کم ہیں بلکہ اس طرح کی گفتگو سے انسان میں اعتماد پیدا ہوتا ہے اور باہم تعلقات بڑھتے ہیں اور انسان ہر دل عزیز بن جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اس طرح تم سے عداوت رکھنے والا شخص بھی ایسا ہوجائے گا جیسے وہ تمہارا گہرا دوست ہے'' (۱۳)

علامہ ماوردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''دین و دنیا کے آداب'' میں اسی قسم کے موضوع پر گفتگو کے دوران فرمایا ہے کہ اس عمل کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دشمن کے دل میں بھی محبت پیدا ہوتی جس کے سبب وہ بغض سے رک جاتا ہے اور محبت کے لیے نرم خوئی اختیار کر لیتا ہے (۱۴)

حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو ہریرہؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا ہے کہ

''اللہ رب العزت پر ایمان لانے کے بعد سمجھداری کی بنیاد یہ ہے کہ لوگوں کے ساتھ محبت کرے''

حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے سے ارشاد فرمایا کہ ''اگر تمہارے ہزار دوست ہوں تو انھیں بھی زیادہ نہ سمجھو لیکن اگر دشمن صرف ایک بھی ہو تو اس (تعداد) کو کم مت جانو دشمن ایک بھی بہت ہے''۔

ابن رومی رحمۃ اللہ علیہ شعار کا ترجمہ ہے:..... ''جتنی استطاعت ہے اتنے دوست بڑھالو اور تو انھیں اچھا رکھے تو وہ پیٹ بھی ہیں پیٹھ بھی۔ ہزار محبوب اور دوست زیادہ نہیں مگر ایک دشمن بھی بہت ہے'' (۱۵)

مکالمہ پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ جو دعوت دی جائے اس میں اسلام کے تمام اصول کی دعوت ہونی چاہئے جبکہ مکالمہ میں کسی ایک پہلو پر بات ہوتی ہے اس لیے مکالمہ نامکمل دعوت ہے۔ اس لیے اسے دعوت کا نام دینا درست نہیں اور غیر مسلموں سے مکالمہ کرنا بھی درست نہیں اگر مکالمہ ہو تو مکمل دعوت دی جائے۔

یہ اعتراض ہم نے اپنے بعض دوستوں سے سنا ہے، چنانچہ اس مضمون کی تیاری کے دوران ورق گردانی کرتے ہوئے ماہنامہ التبلیغ (برطانیہ) کے ایک مضمون میں اس کا جواب مل گیا:

بھارت کے مشہور عالم مولانا تنظیم عالم قاسمی (حیدرآباد دکن) لکھتے ہیں کہ

ضرورت ہے کہ داعی نرمی اور خیر خواہی سے باتیں کرے مصلحت اور حالات پر گہری نظر ہو، مزاج شناس ہو اور دلوں کو اپیل کرنے والی صلاحیت کا حامل بھی ہو کہ لوگ داعی کی ذات اور اس کی دعوت میں اپنے لیے کشش محسوس کر سکیں سختی اور شدت کا طریق کار دوسرے کے دل میں نفرت و عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے۔ بات چاہے حق ہو لیکن کڑوی گفتگو، ضد اور ہٹ دھرمی کا ماحول پیدا

کرتی ہے اور اس طرح وعظ و نصیحت کا اثر ختم ہو جاتا ہے (۱۶)

آگے فرعون کو دعوت دینے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجتے وقت اللہ تعالیٰ کے ارشاد اور حضرت معاذ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن بھیجے جانے کے وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد: ''آسانی کرنا، مشکل نہیں، خوشخبری دینا، متنفر نہیں کرنا'' (۱۷) کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

پھر لکھتے ہیں یہ وہ اصول ہیں جن کی رعایت سے وعظ و نصیحت میں روح پیدا ہوتی ہے، مخاطب میں سننے اور ماننے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، یہی وہ طریقہ کار تھا جس کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب جیسی بنجر زمین میں دلوں کو فتح کیا اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدائی ہو گیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت اور طریق تبلیغ میں صبر و تحمل، حکمت و مصلحت، لطف و شفقت، رحم و کرم اور مہر و محبت کی تعلیم نمایاں طور پر ملتی ہے۔ قرآن مجید نے اس نکتہ کو بھی بیان کیا ہے:

ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولك

''اے محمد! اگر تم درشت خو اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے چل دیتے'' (۱۸)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی وہ معجزانہ کشش تھی جو لوگوں کو کھینچ کھینچ کر دائرہ اسلام میں داخل کرتی تھی، نفرت و عناد سے لبریز دل لمحوں میں بدل جاتے تھے۔ (۱۹)

کسی نئی قوم کو دعوت دیتے وقت شریعت کے تمام احکامات کا بیک وقت ذکر نہ کیا جائے بلکہ اسلامی احکامات رفتہ رفتہ اس کے سامنے پیش کیے جائیں (۲۰)

مکالمہ کا موجودہ دور میں غیر مسلم مفکرین اور مغربی اہل علم کے نزدیک بنیادی تصور تو یہ ہے کہ معاملات کو اس طرح طے کیا جائے کچھ باتیں آپ کی مانی جائیں کچھ باتیں ہماری۔ اور ایک تصور یہ ہے کہ جو باتیں ہمارے اور آپ کے درمیان مشترک ہیں ان کی پیروی کی جائے اور دعوت دی جائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی آخر الذکر نظریے کی بنیاد پر یہود و نصاریٰ کو مکالمہ کی دعوت دی تھی۔

قرآن کریم میں اس دعوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''آپ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایسے قول کی طرف آجاؤ جو ہم میں تم میں مشترک ہے، وہ یہ ہے کہ ہم بجز اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو پروردگار نہ ٹھہرائے، پھر اگر وہ روگردانی کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ گواہ رہنا ہم تو مسلمان ہیں۔(۲۱)

مکالمہ کا دائرہ:

قرآن کریم نے خود ہی اس نظریئے کو ختم کرنے کا اعلان کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمادیا گیا کہ یہود و نصاریٰ سے کتنی ہی دل سوزی کرلیں کتنی ہی دل جوئی کریں یہ لوگ اس سے کم پر راضی نہ ہوں گے کہ آپ کو مکمل اپنے دین میں داخل کرلیں۔

ارشاد ربانی ہے:

''اور آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز خوش نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کے پیرو نہ ہوجائیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ کی تو بتائی ہوئی راہ بس وہی ہے۔ اور اگر آپ اس علم کے بعد جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچ چکا ہے ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگے تو آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی گرفت کے مقابلہ میں نہ کوئی یار ہوگا نہ مددگار(۲۲)

اس آیت کریمہ کی تشریح میں مولانا عبدالماجد دریابادی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

''یہود و نصاریٰ کی رضا طلبی کے لیے لازم ہے کہ آپ ان کا دین اختیار کریں لیکن ان کا دین سراسر محرف اور باطل ہے اس لیے ان کی رضا طلبی کے لیے لازم ہوا کہ آپ دین محرف اور باطل اختیار کریں(۲) جو رحمت خداوندی سے مالا مال اور توفیق الٰہی سے سرفراز ہو اس کے لیے باطل کی پیروی محال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رحمت خداوندی سے مالا مال ورتوفیق الٰہی سے سرفراز ہیں اس لیے آپؐ کے لیے پیروی باطل محال ہے(۳) جب آپؐ کے لیے پیروی باطل محال ہے تو ملت یہود و نصاریٰ کی پیروی جو خود ایک شکل زیغ و باطل ہی کی ہے اس کی پیروی بھی محال ہے اور اس لیے ان باطل پرستوں کی حصول رضا کی کوئی شکل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں۔

اس سے پہلے لکھتے ہیں کہ ''پیروی سے مراد مسائل دین میں پیروی ہے اور یہ پیروی ان کے لیے محال ہے۔ اھواء سے مراد وہ آراء اور خیالات ہیں جو علم وحقیقت کے بجائے نفسانی خواہشات پر مبنی ہوں جیسا کہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے: (۲۳)

گویا فقط ''دعوت اسلام'' ہی باقی رہی اور مذہبی اتحاد کے مشترکہ نکات ناقابل عمل قرار ٹھہرے۔

اسی بات کو مولانا ابو محمد عبدالحق یوں لکھتے ہیں کہ یہ تین باتیں ہیں۔ اور اگر تم بھی ان پر قائم ہو تو اتحاد ہو گیا کیونکہ یہی باتیں اصول اسلام ہیں جو نہیں مانتے تو یہ گواہی دو کہ ہم لوگ اللہ کے فرمانبردار ہیں، اسی کا نام اسلام ہے جو تمہاری گواہی سے بھی برحق ثابت ہوا (۲۴)

بہرحال یہ نظریہ کہ غیر مسلموں کو کسی ایک مذہبی نقطہ اتحاد پر جمع کیا جاسکتا ہے محال ہو گیا۔ اب تو صرف ''دعوت اسلام'' رہ گئی یا پھر اپنے اپنے مذہب کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے لیے قابل برداشت طرز عمل اختیار کرنا باقی رہ جاتا ہے۔ اور اسی کے لیے مکالمہ بین المذاہب ہو سکتا ہے۔

یعنی مذہب کی دعوت، ایک دوسرے کو سمجھنے سمجھانے کے لیے مکالمہ بشکل مذاکرہ اور ایک دوسرے کے مفادات کی حقیقت کو تسلیم کر کے طرز عمل کو قابل برداشت بنانے کے لیے مکالمہ و مذاکرہ، غلط فہمیوں کا ازالہ، ایک دوسرے کو برا کہنے، پروپیگنڈہ کرنے کی حدود و قیود اور معاشرتی و ریاستی عدم ٹکراؤ کی پالیسی کو از سر نو ترتیب دینے کی ضرورت، ایک دوسرے کی املاک اور ملکیت و وسائل کا احترام انسانیت اور مذہب کی اساس یعنی رحم، ہمدردی اور معاشرتی اخوت کا دائرہ کار اور طریق کار وضع کرنا۔ یہ سب باتیں مکالمہ اور مذاکرے کی بنیاد بن سکتی ہیں۔

مفسرین قرآن کے مطابق دعوت مکالمہ، دعوت اسلام ہی تھی:

اسی نکتہ دعوت و مکالمہ کے تحت مختلف مفسرین کی آراء ملاحظہ فرمائیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ''دعوت مکالمہ'' درحقیقت دعوت اسلام ہی تھی وہ اس طرح کہ ''توحید'' مشترک نظریہ تھا اور مشترک نظریہ توحید ہی دنیا میں اتحاد اور مستحکم امن کی علامت ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

اس آیت میں یہودیوں اور انہی جیسے لوگوں سے خطاب ہو رہا ہے، کلمہ کا اطلاق مفید جملہ پر

ہوتا ہے جیسے یہاں کلمہ کہہ کر پھر ''سواء'' کے ساتھ اس کا وصف بیان کیا گیا جس کے معنی عدل وانصاف ہے، جس میں ہم تم برابر ہیں۔ وہ یہ بات ہے کہ ایک ہی خدا کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی بت کو نہ پوجیں، نہ صلیب کو، نہ تصویر کو، نہ خدا کے سوا کسی اور (شخص یا جانور یا چیز) کو، بلکہ تنہا اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کرو۔ یہی دعوت تمام انبیاء کرامؑ کی تھی جیسا کہ خود قرآن کریم میں ہے:

''اے محمد! ہم نے آپ سے پہلے جو انبیاء بھیجے سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں لہذا تم سب میری ہی عبادت کیا کرو'' (۲۵)

مولانا ابو محمد عبدالحق لکھتے ہیں:

نصاریٰ بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ عبادت خالص اللہ ہی کی کرنی چاہئے اور اس کا کسی کو شریک نہیں کرنا چاہئے، توحید پر قائم رہنا چاہئے اور اس کے سوا کسی کو بمنزلہ رب کے نہ بنانا چاہئے کہ جو وہ حق وناحق کہے خواہ مخواہ مانا جائے (۲۶)

مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

نہ فرزند کہہ کر نہ اقنوم ٹھہرا کر، نہ مظہر یا اوتار بنا کر، نہ اور کسی حیثیت سے ''لانعبد الا اللہ'' پروٹسٹنٹ فرقہ کئی صدی بعد کی چیز ہے قرآن کے معاصر جو مسیحی تھے وہ کیتھولک فرقہ یا کلیسا رومی کے متبع تھے۔ اس فرقہ میں مسیح پرستی اور روح القدس پرستی تو خیر تھی، اس کے علاوہ بھی خدا معلوم کتنی پرستیاں موجود تھیں۔ مریم پرستی، پاپا پرستی، ولی پرستی، شہید پرستی وغیرھا۔ آیت کا یہ ٹکڑا شرک کی جلی وخفی کی ساری صورتوں کی تردید کر رہا ہے.....

سواء بیننا: یعنی وہ اصل جو ہم کو تم کو دونوں کو مسلم ہے جس کی تعلیم تمہارے ہاں کے پیغمبران برحق ہمیشہ دیتے آئے ہیں۔ یہودیت وعسائیت دونوں کی بنیاد اصل پر ہے، توریت تو خیر تاکید توحید وممانعت شرک سے لبریز ہی ہے، انجیل تک میں یہ تعلیم (توحید) موجود ہے۔ خداوند کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر (متی: ۴، ۱۰) انجیل میں یہ کہیں بھی نہیں ہے کہ کچھ پرستش صرف خدا کی کرو اور بعض پرستشوں میں خدا کے ساتھ فرزند خدا اور روح القدس کو بھی شامل کر لیا کرو (۲۷)

سید قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

اس میں شک نہیں کہ یہ ایک منصفانہ دعوت ہے ایسی دعوت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم ان پر کسی قسم کی کوئی فضیلت و برتری حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ اہل اسلام اس میں کسی قسم کی برتری چاہتے ہیں، ایک یکساں موقف جس کے سامنے سب کے سب برابری کی پوزیشن میں کھڑے ہوں گے، کوئی کسی پر برتری نہ چاہے گا(۲۸)

مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں:

تعالوا (کالفظ) اگر چہ مکانی نقل وحرکت کے لیے آتا ہے مگر یہاں حالت کی منتقلی کے لیے استعمال ہوا ہے یعنی عیسائیت سے اسلام میں آجانا چونکہ ''تعالوا'' میں نحوی معنی کے لحاظ سے بلندی ہے یعنی چڑھنا اس لیے یہ یہاں خوب چسپاں ہے یعنی عیسائیت کی پستی سے اسلام کی بلندی میں چڑھ آؤ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

دنیا گہرا کنواں ہے جس میں ایمان و نیک اعمال کا تازہ پانی بھی ہے اور کفر وشرک کی بدکاریوں کی کیچڑ بھی، چنانچہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیا تو اس کیچڑ سے بچے رہے ورنہ اس دلدل میں پھنس گئے۔(۲۹)

اسلام آخری مذہب ہے:

آزاد سلہری لکھتے ہیں: ''جب روایات عقیدے میں ڈھلتی ہیں تو انسان کو ان عقیدوں سے اتنی عقیدت ہو جاتی ہے کہ وہ مذہب کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں، اسی خطہ ارض کے افراد کے مزاج اور ان کے کام کے انداز سے جو روایتیں ایک نظام کی شکل ڈھال لی جالیں تو کلچر وجود میں آتا ہے یہ سب آناً فاناً نہیں ہوتا، نہ ہی کوئی فرد یا ادارہ کلچر کی نشو ونما کرتا ہے بلکہ وقت ان عوامل کو متذکرہ شکل دینے میں فیصلہ کن کردار ادا کرتا ہے گویا تہذیب کو ایک خاص رنگ میں آتے آتے محض وقت درکار ہے، اسلام نے تمام تہذیبوں کو پھیلنے پھولنے کا بھرپور وقت دیا اور پھر ان کو ایک ہی لڑی میں پرونے کے لیے تمام مذاہب کے بعد مکمل دین کی حیثیت سے نازل ہوا۔(۳۰)

اسلام کے آنے سے پہلے تمام مذاہب اپنے عروج کو پہنچ کر دوبارہ مائل بہ زوال ہو چکے تھے ،ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہو چکا تھا اور انسانی تہذیب آہستہ آہستہ اپنے فطری انجام کی طرف گامزن تھی اسی بات کو آزاد سلہری نے یوں لکھا ہے:

انسانی تہذیب اس سے قبل اپنے ارتقاء کے بعد فطری انجام کو پہنچ چکی تھی اب ایک مشترکہ

کلچر قائم کرنے کی ضرورت تھی جو ان تمام تہذیبوں کی مشترکہ اقدار سے فروغ پائے۔انسان بذات خود ساری تہذیبوں میں مشترکہ اکائی ہے،لہذا اسلام انسانیت کی عظمت کا دین قرار پایا۔

اسی لیے (آپ دیکھیں) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کبھی نہیں فرمایا کہ جس نے عمامہ نہیں باندھا وہ ہم میں سے نہیں یا داڑھی نہ رکھی تو وہ ہم میں سے نہیں (یعنی ایمان کا معیار جزوی اعمال کو قرار نہیں دیا) بلکہ آپ نے اس قسم کی بات جھوٹ بولنے (قوم پرستی کرنے) ملاوٹ کرنے کے بارے میں ارشاد فرمائیں محض اس لیے کہ اول الذکر (جزوی اعمال) کی حیثیت تہذیبی ہے جب مؤخر الذکر (جھوٹ ملاوٹ قوم پرستی) کی حیثیت آفاقی ہے۔اور یہ (جھوٹ،ملاوٹ،ذخیرہ اندوزی،فساد،تشدد، دھوکہ دہی، یا سودخوری) کبھی کسی قوم کے تہذیبی اقدار (کی خصوصیات) میں شامل نہیں رہے۔اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اعمال سے بچنے کی تلقین کی یہ کہ اقدام انسانیت سوز ہیں۔اور ایثار قربانی اور محبت والفت کے جذبوں کو ابھارا یہ کہ انسانیت ساز ہیں۔(۳۱)

خلاصہ یہ کہ اسلام آیا ہی مذاہب کے درمیان جوڑ پیدا کرنے اور ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کے لیے ہے۔

لہذا اسلام کی دعوت مکالمہ دراصل اسلام میں آجانے کی دعوت ہی ہے چاہے وہ کھلے لفظوں میں نہ کہے لیکن حقانیت کا اظہار خود ہی دعوت ہوتا ہے،مشہور مثل ہے:''عقلمند کے لیے اشارہ ہی کافی ہے''۔

مکالمہ اور دعوت کا اسلوب:

مسلمان جب کسی کے سامنے حقیقت کو بیان کرتا ہے تو اس میں لگی لپٹی بات نہیں کہتا بلکہ جو اسلام کے دامن میں ہے وہ اپنی جھولی کھول کر دکھا دیتا ہے،کوئی ایسی بات جو باعث شرمندگی ہو،اسلام کے پاس نہیں ہے،لہذا حق کے اظہار میں کوئی شرم نہیں،نہ ہی اس بات کا خوف کہ مقابل کا عقیدہ یہ نہیں تو وہ ناراض ہوگا بلکہ بے باکی اور جرأت کے ساتھ اچھے پیرائے میں اسلام کا بیان کر دینا ہی دعوت و مکالمہ کا انداز ہے چنانچہ ملاحظہ کیجئے:''بادشاہ نجاشی نے جب دین اسلام اور نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا تو حضرت جعفر طیارؓ نے بڑے ہی میٹھے انداز سے یوں بیان کیا'':بادشاہ سلامت! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے،بت پوجتے تھے،مردار کھاتے تھے،بدکاری کرتے،پڑوسیوں کو ستاتے تھے،بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا،طاقتور کمزور کو کھا جاتا تھا،اسی دوران ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس

کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہمیں اسلام کی دعوت دی اور یہ سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، پڑوسیوں کو آرام دیں، پاکدامن عورتوں پر تہمت نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی، تمام اعمال بد سے باز آئے، اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہوگئی اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اسی گمراہی میں واپس آجائیں۔

نجاشی نے کہا کہ جو کلام الٰہی تمہارے پیغمبر پر اترا ہے کہیں سے پڑھو تو حضرت جعفر طیارؓ نے سورۂ مریم کی آیات تلاوت کیں تو وہ رونے لگا اور اس نے قریش کے وفد کو انکار کر دیا۔

دوسرے دن وفد قریش نے دربار میں آکر کہا کہ ان سے پوچھو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ کیا ہے؟

ان کا خیال تھا کہ مسلمان جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ کا بیٹا ہونے کا انکار کریں گے تو نجاشی ناراض ہوجائے گا، مگر حضرت جعفر طیارؓ نے واضح الفاظ میں کہا کہ ہمیں ہمارے پیغمبر نے یہ بتایا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اس کے رسول اور کلمۃ اللہ ہیں۔ یہ سن کر نجاشی نے ایک تنکا اٹھا کر کہا تم نے جو کچھ کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔ حالانکہ ان کے بطریق وہاں تھے وہ غصہ میں آگئے مگر نجاشی نے ان کی پرواہ نہ کی اور قریش کا وفد ناکام ہوکر مکہ واپس آگیا (۳۲)

مذکورہ واقعہ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت جعفر طیارؓ نے جن حالات میں اس جرأت کا مظاہرہ کیا وہ یقیناً ایک حق پرست حق شناس اور باعمل انسان ہی انجام دے سکتا ہے یعنی آپ نے ایک طرف بہت ہی خوبصورت پیرائے میں اسلام اور اس کے پیغمبرؐ کا تعارف پیش کیا تو دوسری طرف مشرکین مکہ کے تمام پروپیگنڈے کا اثر نہ صرف اپنی بہترین سفارت سے زائل کیا بلکہ اپنی حقیقت بیانی اسلام اور عیسائیت کے درمیان وجہ اشتراک بھی بیان کی اور اس جرأت سے یہ فائدہ ہوا کہ نجاشی کے دل میں اسلام جاگ اٹھا وہ مسلمان ہوگیا اور مسلمانوں کو ایک بہترین پناہ گاہ مل گئی۔ چنانچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ مکالمہ میں اپنا موقف پرزور طریقہ سے مکمل بیان کرنا ضروری ہے۔

چنانچہ یہ بات بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں مختلف مذاہب میں ایسی قدریں اور موضوعات پائے جاتے ہیں جن پر دانشوروں کو بات کرنے کا موقع دینا چاہئے، آخرت، دنیا کی بے ثباتی، امن و

امان جیسے موضوعات پر مکالمہ اور بحث کی دعوت دینی چاہئے ،دنیا بھر سے مختلف مذاہب کے بڑے حضرات گفتگو کریں گے تو تحقیق کا نیا باب بھی کھلے گا اور تعصب کا ماحول ختم ہوگا جس سے عالمی امن و امان کی طرف مثبت پیش رفت بھی ہوگی اور اسلام کی آفاقیت اور فطری ہدایت کی باتیں جب دنیا بھر کے کانوں میں پڑیں گی مزید لوگ سنجیدگی سے اسلام کا مطالعہ کریں گے۔

مکالمہ اور مصالحت:

یہاں ایک اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے کہ اگر مکالمہ مذہبی اتحاد یا Compromise کا نام نہیں ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے قبیلہ بنوثقیف کے قبول اسلام کے لیے چھ شرائط میں سے تین شرائط مان لی تھیں معاہدہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا ،بنوثقیف نے مختلف اوقات میں چھ شرائط یہ پیش کی تھی:

(۱)نماز سے استثناء (۲) حرمت زنا سے استثناء (۳) زکوۃ سے استثناء (۴) جہاد سے استثناء (۵) طائف کو حرم قرار دینا (۶) لات وعزی ان کے ہاتھوں نہ گروانے کا وعدہ۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی دو شرطوں کو ماننے سے انکار کیا اور ان کو ان دو شرطوں کو واپس لینے پر راضی کیا اور آخری چار شرائط مان لیں۔ چنانچہ یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ مذہبی اتحاد بطور صلح Compromise نہیں ہوسکتی۔

اس اعتراض کا سیدھا جواب تو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دیا تھا کہ ''جب ان کے دل میں اسلام جم جائے گا تو وہ خود بخود اسلام کو مکمل طور سے مان لیں گے''۔

دوسری بات یہ ہے کہ زکوۃ اور جہاد دونوں ایسے فرائض ہیں جو ہر ایک شخص پر فرض نہیں لہذا وہ بعض مخصوص حالات میں اور وسیع تر مفاد میں کسی کو بھی معاف کیے جاسکتے تھے دیکھئے کہ نماز جو کسی کو بھی معاف نہیں اور زنا کسی کے لیے بھی حلال نہیں ،ان دونوں احکام سے انھیں مستثنیٰ نہیں کیا گیا بلکہ ان شرائط کو واپس لینے پر انھیں مجبور کیا گیا۔

تیسری بات اس سلسلہ میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود شارع ہیں اور وہ اس وقت خود موجود تھے لہذا ایسے خصوصی احکام بھی وہی جاری کرسکتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے پردہ کرجانے کے بعد اب یہ صورت کسی کے لیے بھی حلال نہیں اس حکم پر مزید کسی اور حکم کو اس لیے

قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرما گئے کہ ''جب اسلام ان کے دل میں جم جائے گا تو یہ مکمل اسلام کو خود بخود مان لیں گے''۔ اور اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ عمل بھی شواہد میں پیش کیا جاسکتا ہے جب آپ نے مؤلفۃ القلوب کی فہرست سے کفار کو نکال دیا تھا اور فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت دے دی ہے اب ہمیں کسی کافر کی دلجوئی کے لیے بیت المال کی رقم دینے کی ضرورت نہیں (۳۵)۔

چنانچہ مذہبی اتحاد یا مشترکہ نکات پر سودے بازی (Compromise) نہیں ہوسکتی بلکہ مکالمہ مکمل دعوت اسلام ہے اور ان کو مشترکہ نکات کی بظاہر دعوت کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ ہماری بات سن کر اس کو ماننے لگیں۔ یہ نہیں کہ ہم مشترکہ نکات پر آجائیں اور متنازع نکات کو چھوڑ دیں (حاشا وکلا)۔ گزشتہ سطور کے حوالہ سے یہ بات بھی نہایت اہم ہے کہ یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اقدامات کا تسلسل تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آنے کے بعد حکومت کے قیام اور اسلام کی دعوت عام کرنے اور وہاں امن و امان کے لیے کیے تھے چنانچہ مختلف لوگوں سے مختلف قسم کے معاہدات ہوئے جن کی نوعیت خالص سیاسی تھی۔ اہل علم جو معاہدات نبویؐ پر نظر رکھتے ہیں ان سے یہ امر یقیناً پوشیدہ نہیں۔

مکالمہ اور مناظرہ:

مکالمہ صورتاً مناظرے جیسا ہی ہوتا ہے کہ دونوں میں طرفین سے تبادلہ خیال ہوتا اور دلائل پیش کیے جاتے ہیں لیکن ان میں حقیقت کے اعتبار سے فرق ہے۔ مکالمہ سمجھنے سمجھانے کے لیے ہوتا ہے جبکہ مناظرے میں ہر دو فریق کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ مناظرے میں نتیجتاً فاتح قرار پائے۔ اسی طرح مکالمہ کے لیے ہم نے اب تک جو آیات قرآنیہ پیش کی ہیں ان سے بھی یہ فرق واضح ہوجاتا ہے کہ قرآن کی آیات ﴿جادلھم بالتی ھی احسن﴾ میں مکالمہ ہی مراد ہے جس میں فریق ثانی کو بات اچھی طرح نشین کرانا، اسے غور و فکر کا موقع دینا اور اسے قبول حق کی طرف اپنے اخلاق اور دلائل سے مائل کرنا (یہ لگ بات ہے کہ مکالمہ میں واضح دعوت دینا دستور نہیں)۔ دعوت مکالمہ سے قبل کی چیز ہے جیسا کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف قبائل کو پہلے دعوت اسلام دی اور پھر ان سے مکالمہ کیا (۳۶)۔

قرآن مجید میں جدال اور حوار یا محاورہ کے باب سے جو الفاظ آئے ہیں ان سب میں حوار

اور محاورہ کے الفاظ کا معنی تبادلہ خیال ہے اور جدال کے عمومی معنی ناپسندیدہ باتوں پر مناظرہ کرنے یا غیر سنجیدہ گفتگو کے آتے ہیں (البتہ ان سے مکالمہ کا مفہوم بھی مراد ہوسکتا ہے جیسا کہ سابقہ آیت میں ہے)۔(۳۷)

جب دو یا زیادہ افراد کسی جگہ بیٹھتے ہیں تو اسے ملاقات کہتے ہیں جب ایک فرد بولتا ہے تو اسے کلام کہتے ہیں، دوسرا سنتا ہے تو اسے سماعت کہتے ہیں کلام اور سماعت کے عمل کو جب افراد بدلتے رہتے ہیں (یعنی کبھی ایک فرد کلام کرے، دوسرا سنے اور کبھی دوسرا کلام کرے اور یہ پہلا سماعت کرے) تو اسے گفتگو کہا جاتا ہے لیکن سب لوگ ایک ساتھ بول رہے ہوں یا خاموش بیٹھے ہوں تو یہ منظر عموماً پسند نہیں کیا جاتا۔ واضح رہے کہ کلام سماعت اور گفتگو کے اپنے آداب ہیں ان کی کچھ تکنیک ہے، آگے بڑھ کر کہا جائے تو یہ ایک مستقل فن ہے جسے حاصل کرکے کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے(۳۸)۔

مکالمہ تقریر یا خطابت نہیں ہے کیونکہ یہاں دونوں فریق اپنی اپنی بات سناتے ہیں دوسرے کی سنتے بھی ہیں جبکہ اس کے برعکس تقریر یا خطابت کے آداب میں سے ہے کہ خطیب بولے اور سامعین صرف سماعت کریں چنانچہ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی اپنی معرکۃ الآرا کتاب ''مکالمہ بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں'' میں رقم طراز ہیں:

اسے یوں سمجھنا چاہئے کہ گفتگو کرنے والا ایک خطیب کی طرح نہیں ہے جو لوگوں کے ایک مجمع کے سامنے اپنی بات پیش کررہا ہوتا ہے اور لوگ خاموشی سے اس کی گفتگو سن رہے ہوتے ہیں نہ ہی وہ مدرس یا مقرر ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مکالمہ میں گفتگو کا ماحول پرسکون اور اعصابی اطمینان کا ہوتا ہے ہر شخص ایک دوسرے کے خیالات سے استفادہ کرنے کے زیادہ وسیع مواقع حاصل ہوتے ہیں۔(۳۹)

مذہب اور مکالمہ:

مذہب کی لفظی تعریف تو یوں کی جاسکتی ہے کہ یہ لفظ عربی کا ہے'' ذ، ھ، ب '' کے مادے سے ''رائے'' کے معنی میں آتا ہے مثلاً کہا جائے ''ذھب فی المسئلۃ کذا'' اس مسئلہ میں اس کی یہ رائے قرار پائی ہے(۴۰)

المذھب: اعتقاد، طریقہ، اصل کے معنی میں آتا ہے (۴۱) اسی طرح اس کا مسالک پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔

مذہب کی اصطلاحی تعریف: چونکہ اصول ونظریات کی کثرت کی بناء پر کسی ایک تعریف کو حتمی رائے قرار دینا ممکن نہیں معلوم ہوتا لیکن ان سب کو سامنے رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ''مذہب دل ودماغ کی گہرائی سے کسی کی پیروی کرنے کا نام ہے، اس یقین کے ساتھ کہ یہ اس کی دنیاوی واخروی کامیابی کا راستہ ہے (۴۲)۔

یعنی مذہب ایک داخلی اور کشفی تجزیہ کے ذریعہ زندگی کے واحد حل کی طرف انسان کی راہنمائی کرتا ہے جس کی بنیاد اس عقیدہ پر ہوتی ہے کہ اعلیٰ ترین تخلیقی قوت موجود ہے جو پہلے سے سوچے سمجھے ایک نظام کے مطابق جو انسانی فہم سے بالاتر ہے ، کائنات پر حکمران ہے، یہ نظریہ لازمی طور پر انسان کو ان حقائق زندگی کے ان پہلوؤں کی چھان بین کرنے سے مانع نہیں جو اپنے آپ کو بیرونی مشاہدے کے لیے پیش کریں۔

خارجی (سائنٹیفکیٹ) اور داخلی (مذہبی) مشاہدے اور ادراک میں کوئی حقیقی تضاد اور مغائرت نہیں ہے لیکن دراصل دوسرا طریق یعنی مذہب ہی وہ ظنی امکان ہے جس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ تمام زندگی اپنی ماہیت اور تحریکی قوت کے اعتبار سے ایک ہی ہے یا مختصر الفاظ میں یہ کہ حیات ایک متوازن اور ہم آہنگ شے ہے، ہم آہنگ کا لفظ اس میں بہت اہم ہے چونکہ اس کا مقتضی یہ ہے کہ اس کا رجحان خود انسان میں موجود ہو

- مذہبی انسان اس بات کو جانتا ہے کہ جو کچھ اس کے ساتھ پیش آتا ہے یا اس کے اندر وقوع پذیر ہوتا ہے وہ بے شعور اور بے مقصد قوتوں کے اندھے کھیل کا نتیجہ ہرگز نہیں ہے، وہ ایمان رکھتا ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے شعوری ارادے یا مشیت کا نتیجہ ہے اور اس کے لیے تضاد کی گتھی سلجھانے کے قابل ہوجاتا ہے جو انسان اور عالم خارجی کے حقائق ومظاہر میں پایا جاتا ہے جس کو فطرت کہتے ہیں یا دوسرے لفظوں میں جن کو انفس یا آفاق کہا جاتا ہے۔ انسان اپنے نظام کی پیچیدگیوں کے ساتھ اپنی تمام خواہشات خطبات اور ظنی غیر یقینیوں کے ساتھ اپنے آپ کو فطرت کے بالمقابل پاتا ہے جس میں فیاضی اور سختی، خطرہ اور تحفظ کے حیرت انگیز اور ناقابل فہم طریقہ سے ملے جلے ہوتے ہیں اور بظاہر وہ جس طرح کام کررہے ہیں وہ انسانی ذہن کے طریقوں اور نظام سے بالکل مختلف ہیں، اس تضاد کو

خالص عقلی فلسفہ یا تجزیاتی علم کبھی حل نہیں کرسکا، بس یہی وہ مقام ہے جہاں مذہب ہماری رہبری کرتا ہے(۴۳)

لفظ مذہب اور دین کے مابین بہت قریبی رشتہ ہے حتی کہ ان دونوں کا اطلاق ایک دوسرے کے معنیٰ پر کردیا جاتا ہے دین کو مذہب اور مذہب کو دین کہہ دیا جاتا ہے، مذہب کے معنیٰ تو ہم گذشتہ سطور میں بیان کرچکے ہیں ''دین'' لغت کے اعتبار سے غلبہ، حکمرانی، ملت و مذہب اور دوسرے کو اطاعت پر مجبور کرنے کے معنیٰ میں آتا ہے(۴۴)

اسی طرح دین کا لفظ قرآن کریم میں ''راستہ'' اور ''طریق زندگی'' کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ قرآن کریم کی آیت میں ہے:

﴿الدین عنداللہ الاسلام﴾

زندگی گذارنے کا راستہ تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے(۴۵)

گویا ایسا نظام ہے جس کے تحت انسان اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق اور مالک ومختار تسلیم کرتا ہے، اس کا مطیع وفرمانبردار بن جاتا ہے، اس کی ہدایات کا پابند ہوجاتا ہے گویا حکم عدولی اور نافرمانی کی صورت میں ہر مؤمن مستحق سزا قرار پاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی خوشی اور رضا حاصل کرلینے کی صورت میں وہ انعام کا مستحق قرار پاتا ہے(۴۶)

ہمارا بہت سے دلائل وشواہد کی روشنی میں مؤقف یہ ہے کہ مکالمہ مذہب کی بنیاد پر ہونا چاہئے، طاقت، تعداد، یا مال ودولت کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ مذکورہ تینوں چیزیں جبر پیدا کرتی ہیں اور جبر سے یقیناً آزادی اور امن کے بجائے غلامی اور فساد ہوتا ہے چنانچہ جو چیز فطرت کے قریب اور انسانی زندگی کی ضرورت ہے وہی مکالمہ کی بنیاد ہے اور وہ ہے ''مذہب''۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یہ فطرت ہے جس پر انسان کو پیدا کیا گیا''(۴۷)

مولانا عبدالحق رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

انسان کو فطرتاً دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے: (۱) علم (۲) محبت۔ علم کا تعلق عقل سے ہے اور محبت کا تعلق جذبات سے ہے۔ عقل چاہتی ہے کہ سب میرے تابع ہوں اور میرے اشارے پر چلیں۔ اور جذبات کا تقاضا ہے وہ سب کو دبا کر رکھیں اور من مانی سے حکومت کریں۔ مذہب کا تعلق دونوں سے ہے چنانچہ وہ عقل سے جذبات کی روک تھام کا کام لیتا ہے اور جذبات سے عقل کو ہوش میں لاتا

ہے(۴۸)

ڈاکٹر ڈریپر ولیم اپنی کتاب ''معرکہ مذہب وسائنس'' میں رقم طراز ہیں کہ ہم عیسائیت اور اسلام کا تجزیہ کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ صرف اسلام ایسا مذہب ہے جو فطرت الٰہی سے کلی مطابقت رکھتا ہے اور مذہب انسانی زندگی کے لئے لازم وملزوم ہے(۴۹)

خلاصہ کلام!:

مذکورہ بالا بحث کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مکالمہ اصول مذہب کی بنیاد پر ہونا چاہئے اور مکالمہ کا مقصد سمجھنا، سمجھانا ہو، مکالمہ کا مقصد حق کی وضاحت اور نیت دعوت کی ہو، مکالمہ طاقت، تعداد یا مال ودولت کی بنیاد پر نہیں ہونا چاہئے، نہ ہی بحث مباحثہ اور کٹ حجتی کے لیے ہو، اسی طرح مکالمہ محض مجلس میں جیت اور ہار کے مقصد سے نہ ہو۔

اسی طرح مکالمہ الہامی مذاہب کے مابین ہونا چاہئے جن کی تعداد تین ہے: یہودیت، عیسائیت اور اسلام۔

البتہ دوسرے مذاہب کو دعوت اسلام اور دعوت مناظرہ دی جاسکتی ہے جس میں مکالمہ کا انداز بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور مناظرے کا بھی۔

کیونکہ وہاں اصول بنیادی طور پر الگ ہیں اور الہامی مذاہب میں بنیادی اصول ایک ہی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان کی تشریح بعض مواقع پر اصول سے باہر نکل جاتی ہے۔

بہرحال مکالمہ اپنی نوعیت سے دعوت اور صورت سے مناظرہ اور مباحثہ ہے جس میں مقاصد متعین کرکے اس کو عملی جامہ پہنایا جاسکتا ہے اور یہ مکالمہ مؤثر عوامی پذیرائی رکھنے والے حضرات بھی منعقد کراسکتے ہیں جیسا کہ علماء کرام اور دینی مدارس یا دوسری طرف سے ان کے مذہبی ادارے ہوں یا پھر حکومتیں سنجیدہ ہوکر علماء کرام کی لازمی مشاورت سے مکالمہ کو عملی جامہ پہنا سکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں عقل سلیم اور مذہبی شعور عطا فرمائے (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

حوالہ جات

۱۔ ابن ہشام، سیرت ابن ہشام ۱۹۹۵ء مطبوعہ قم ایران، ا رص ۳۱۲

۲۔ الہیثمی مجمع الزوائد للہیثمی ھ، دارالکتب بیروت، ۹/ص ۲۳۹

۳۔ عبدالواجد حافظ، ماہنامہ الشریعہ ج ۱۶/ش ۱۲، شریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ص/ ۱۶

۴۔ عبدالواجد حافظ، ماہنامہ الشریعہ ج ۱۶/ش ۱۲، شریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ص/ ۱۶

۵۔ عبدالواجد حافظ، ماہنامہ الشریعہ ج ۱۶/ش ۱۲، شریعہ اکادمی گوجرانوالہ، ص/ ۱۶

۶۔ بزم قاسمی انٹرنیشنل، ماہ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ، کراچی، ص/ ۸۶

۷۔ بزم قاسمی انٹرنیشنل، ماہ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ، کراچی، ص/ ۸۶

۸۔ ابن سعد ابوعبداللہ محمد، طبقات ابن سعد مترجم، دارالاشاعت کراچی ۱/ص ۴۶۲

۹۔ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، مکالمہ بین المذاہب، مکتبہ شبیر احمد عثمانی کراچی، ص/ ۶۴

۱۰۔ ڈاکٹر عبدالحکیم، ترجمہ امیر الدین مہر، اسلوب المحاورہ فی القرآن الکریم، الدعوہ اکیڈمی، اسلام آباد، ص/ ۱۲

۱۱۔ ڈاکٹر امیر الدین مہر، گفتگو کا سلیقہ، دعوہ اکیڈمی اسلام آباد، ص/ ۲۱

۱۲۔ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، مکالمہ بین المذاہب ۲۰۰۹، مکتبہ شبیر احمد عثمانی کراچی، ص/ ۶۷

۱۳۔ القرآن، سورۃ النحل، آیت ۱۲۵/ سورۂ حم السجدۃ، آیت: ۳۴

۱۴۔ الماوردی: ترجمہ مفتی ثناء اللہ محمود، ادب الدنیا والدین، ۲۰۰۳ بیت العلوم لاہور، ص/ ۳۰۱

۱۵۔ الماوردی: ترجمہ مفتی ثناء اللہ محمود، ادب الدنیا والدین، ۲۰۰۳ بیت العلوم لاہور، ص/ ۳۰۱

۱۶۔ تنظیم عالم قاسمی، ماہنامہ التبلیغ، جلد ۶/ شمارہ ۳، رجب شعبان ۱۴۲۵ھ، گلوکیسٹر انگلینڈ، ص/ ۱۰

۱۷۔ بخاری، امام محمد بن اسماعیل، صحیح بخاری، قدیمی کتب خانہ، ۲/ص ۶۲۲

۱۸۔ القرآن، سورۂ آل عمران، آیت: ۱۷

۱۹۔ تنظیم عالم قاسمی، ماہنامہ التبلیغ، جلد ۶/ شمارہ ۳، رجب شعبان ۱۴۲۵ھ، گلوکیسٹر انگلینڈ، ص/ ۱۱

۲۰۔ تنظیم عالم قاسمی، ماہنامہ التبلیغ، جلد ۶/ شمارہ ۳، رجب شعبان ۱۴۲۵ھ، گلوکیسٹر انگلینڈ،

ص/۱۱

۲۱۔ دریابادی: مولانا عبدالماجد، تفسیر ماجدی، تاج کمپنی کراچی، ص/۱۳۸

۲۲۔ القرآن، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۲

۲۳۔ دریابادی مولانا عبدالماجد، تفسیر ماجدی، سورۃ البقرۃ، آیت: ۱۲۰، تاج کمپنی کراچی، ص/۴۷

۲۴۔ حقانی: عبدالحق ابومحمد مولانا، مقدمہ تفسیر حقانی، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند انڈیا، ص/۶۴۳

۲۵۔ ابن کثیر: عمادالدین ابوالفداء اسماعیل حافظ، تفسیر ابن کثیر، نور محمد کارخانہ تجارت کراچی، ص/۷۶

۲۶۔ حقانی: عبدالحق ابومحمد مولانا، مقدمہ تفسیر حقانی ۱۹۸۰، کتب خانہ نعیمیہ دیوبند انڈیا، ص/۶۳

۲۷۔ دریابادی: مولانا عبدالماجد، تفسیر ماجدی/۱۹۸۵ء، تاج کمپنی کراچی، ص/۱۳۸، ۱۳۹

۲۸۔ سید: قطب شہید رحمۃ اللہ علیہ فی ظلال القرآن/۱۹۸۰ء، ادارہ منشورات اسلامی لاہور، ص/۶۲۳

۲۹۔ مفتی احمد یار خان، تفسیر نعیمی ۱۹۸۰ پارہ سوم، مکتبہ اسلامیہ گجرات، ص/۵۷۸

۳۰۔ آزاد سلہری، مذاہب عالم، آزاد انٹر پرائز لاہور، ص/۹

۳۱۔ شبلی نعمانی، سیرۃ النبیؐ/۱۹۵۰ء، مطبع معارف اعظم گڑھ انڈیا، ص/۲۳۸ تا ص/۲۴۰

۳۲۔ ابن سعد ابوعبداللہ محمد، طبقات ابن سعد/۲۰۰۶ء، دارالاشاعت کراچی، ۱/ص ۴۰۱، ۱/ص ۴۲۴

۳۳۔ ابن خلدون: تاریخ ابن خلدون/۲۰۰۷ء، دارالاشاعت کراچی، ۳/ص ۱۷۱

۳۴۔ نوٹ:۔ ابن سعد نے تفصیلی فیصلہ ذکر نہیں کیا البتہ اشارتاً کچھ، اور دو شرطیں صراحتاً ذکر کی ہیں۔ اسی طرح کچھ شرائط ابن خلدون نے ذکر کی ہیں، مکمل تفصیل امام ابوعبیدہ القاسم کی کتاب الاموال: ص/۱۹۰ پر ہے جو اس وقت میرے پاس نہیں البتہ تاریخ ابن خلدون مطبوعہ دارالاشاعت کے حاشیہ میں میرے ہی ہاتھ کے لکھے حاشیہ میں یہ حوالہ موجود ہے (ثناء اللہ)

۳۵۔ بلتاجی ڈاکٹر محمد، منہج عمر بن الخطاب فی التشریع: ۲۰۰۶ء، مطبع بیروت، ص/۱۵۱۔ ابن الہمام علامہ، فتح القدیر، مطبع الامیریہ مصر، ۲/ص ۱۵

۳۶۔ سابقہ حوالہ جات ملاحظہ کیجئے۔

۳۷۔ ڈاکٹر عبدالحکیم حنفی، اسلوب المحاورۃ فی القرآن الکریم، مکتبہ الدعوۃ، اسلام آباد، ص/۱۲

۳۸۔ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، مکالمہ بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں/۲۰۰۵ء، مکتبہ شبیر احمد عثمانی، ص/۶۶

۳۹۔ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، مکالمہ بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں/۲۹۹۵ء، مکتبہ شبیر احمد عثمانی، ص/۶۴

۴۰۔ سبحان محمود مظاہری و دیگر، المنجد/۱۹۹۴ء، دارالاشاعت کراچی، ص/۳۵۴

۴۱۔ سبحان محمود مظاہری و دیگر، المنجد/۱۹۹۴ء، دارالاشاعت کراچی، ص/۳۵۵

۴۲۔ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، مکالمہ بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں/۲۰۰۵ء، مکتبہ شبیر احمد عثمانی، ص/۱۸۳

۴۳۔ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، مکالمہ بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں/۲۰۰۵ء، مکتبہ شبیر احمد عثمانی، ص/۱۸۳

۴۴۔ ابن منظور، لسان العرب/۱۳۰۰ھ، مادہ ''دین'' دارصادر بیروت، ج۲ص/۱۶۹

۴۵۔ القرآن سورۃ آل عمران آیت نمبر۱۹

۴۶۔ ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، مکالمہ بین المذاہب کی مذہبی بنیادیں/۲۰۰۵ء، مکتبہ شبیر احمد عثمانی، ص/۱۸۵

۴۷۔ القرآن سورۃ الروم آیت نمبر۳۰

۴۸۔ مولانا عبدالحق، مقدمہ معرکہ مذہب وسائنس از ڈاکٹر ڈریپرولیم/۱۹۹۵ء، الفیصل لاہور، ص ۳۵

۴۹۔ ڈاکٹر ڈریپرولیم، معرکہ مذہب وسائنس/۱۹۹۵ء، الفیصل لاہور/ص ۴۸